مولائی شیدائی مرحوم
تزئین و ترتیب : رحمت فرخ آبادی ایم اے

سندھ کی قدیم ثقافت کا مرکز ـــــ سکھر

یونانیوں کا دور

سندھ کا شہر سکھر ـــ قدیم ثقافت و تہذیب کا مرکز ہے۔ اس مضمون میں اس کی مختصر تاریخ بیان کی جاتی ہے۔ سکھر ہمیشہ ہی سے بکھر کے ماتحت رہا تھا، چنانچہ کتب تاریخ میں ہمیں بکھر کے بارے میں جتنی تعریف اور تفصیل ملتی ہے، سکھر کی نہیں ملتی کیوں کہ بکھر سندھ کے شمالی علاقے میں ایک مضبوط قلعہ تھا، جس کے آثار اب بھی باقی ہیں۔ قلعہ کے علاوہ بکھر ایک ضلع بھی تھا اور سکھر اس ضلع کا ایک حصہ تھا۔ بطلیموس پہلا یونانی جغرافیہ داں تھا جس نے اپنے نقشے میں بکھر کا تذکرہ دو بنیانگر کے نام سے کیا ہے۔ بکھر کا قلعہ سوڈھا ہندو قوم نے ایک جزیرہ نما پر تعمیر کیا تھا۔ اس زمانے میں دریائے سندھ اروڑ (الرور) کے قریب بہتا تھا مگر جب موسم گرما میں اس میں طغیانی آتی تھی تو اس کا پانی اس جزیرہ نما تک بھی پہنچتا تھا۔ ۳۲۶ قبل مسیح میں جب سکندر اعظم مقدونی سندھ سے گزرا تو اس نے اپنے ایک جرنیل کو فوج اور ہاتھیوں کے دستے کے ساتھ سکھر سے مکران کی طرف روانہ کیا تھا، کیوں کہ سکھر وادیٔ سندھ میں ایک ایسے مقام پر واقع ہے جہاں سے تجارتی قافلے درۂ بولان اور درۂ مولہ کے راستے قندھار اور ساحل مکران کی طرف جاتے تھے۔ اس طرح طبعی لحاظ سے اس زمانے میں سکھر وہ اہم مقام تھا جہاں برصغیر پاک و ہند کے تجارتی قافلے یہاں کی اشیاء کا وسط ایشیا کی اجناس تجارت سے تبادلہ کرتے تھے۔ اس طرح اس امر کو تسلیم کرنے میں ہمیں کوئی باک نہیں ہے کہ تاریخی شواہد کی روشنی میں قبل از اسلام سکھر ایک اہم تجارتی منڈی تھی جہاں سے دریائے سندھ کے راستے کشمیر اور چین سے اور تجارتی قافلوں کے ذریعے مشرق و مغرب سے خوب تجارت ہوتی تھی۔

عرب دور :

۷۱۲ء میں اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے دور میں والی عراق حجاج بن یوسف کی تحریک سے غازی محمد بن قاسم نے بکھر کے قریب سندھ کے پایہ تخت الرور کو فتح کر کے یہاں کا حاکم رواح بن اسد کو بنایا اور قاضی موسیٰ بن یعقوب کو یہاں کے قاضی کے منصب پر فائز کیا، اس کے بعد وہ مزید فتح کے ارادے سے ملتان کی طرف کوچ کر گیا۔ چنانچہ قاضی موسیٰ بن یعقوب کا خاندان بکھر ہی میں رہائش پذیر ہوگیا۔ اسی زمانے میں عربوں نے بکھر کے قلعے کو از سر نو تعمیر کر کے اس کا نام فرشتہ رکھا تھا۔ خلافت بنو عباس کے دور زوال میں جب سندھ میں عربوں کی حکومت بھی زوال کا شکار ہونے لگی تھی تو عربوں نے منصورہ، محفوظ اور بیضا کے نام سے تین نئے شہر سندھ میں تعمیر کرائے تھے۔ تاریخ جہاں کشائے جوینی کے حوالے سے میجر راورٹی نے لکھا ہے کہ عرب دور میں سکھر اور بکھر دو شہر ایک دوسرے سے متصل آباد تھے۔ عباسی خلیفہ معتصم باللہ کے دور میں سندھ کے والی عمران بن موسیٰ برمکی نے سندھ کی مید قوم یعنی ماہی گیروں کو شکست دے کر جنگی قیدیوں سے سکھر کے قریب پتھروں کا ایک بند تعمیر کرایا۔ جس کا تذکرہ تاریخ سندھ کی کتب میں "سکۃ المید" کے نام سے کیا گیا ہے۔ صاحب فتوح البلدان علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ یہ سنگین بند دریائے سندھ پر الرور کے قریب تعمیر کیا گیا تھا۔ اور اس طرح ہمیں پہلی مرتبہ تاریخ کی کتاب میں سکھر کا تذکرہ ملتا ہے، یہی سکۃ المید بگڑ کر سکھر بن گیا۔

سلاطین دہلی کا دور

اس سلسلے میں سب سے پہلے دولت غزنویہ کا تذکرہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا کیونکہ اسی دور میں سلطان الپتگین کے زمانے میں ۳۳۵ھ (۹۴۶ء) میں جب الرور کا حاکم ایک ظالم راجہ دلو رائے تھا، ایک سندھی عرب سوداگر سیف الملوک یہاں سے گزرا تو دلو رائے نے اس کی حسین و جمیل بیوی بدیع الجمال کو اپنے قبضہ میں لانے کی ناپاک کوشش کی، چنانچہ سوداگر سیف الملوک نے راجہ دلو رائے سے تین دن کی مہلت مانگی اور ان تین راتوں میں اس نے الور کے قریب دریائے سندھ پر پتھروں کا ایک بند تعمیر کروادیا، اس بند کے تعمیر ہونے کی وجہ سے دریائے سندھ نے اپنا رخ بدل لیا اور اب سکھر کے پاس سے بہنا شروع کر دیا۔ اس طرح یہ شہر اب ایک اہم دریائی بندرگاہ بھی بن گیا۔ اس سے قبل سکھر ایک عظیم کارواں سرائے تھا لیکن اب دریائی بندرگاہ بن جانے کی وجہ سے یہ شہر ایک اہم تجارتی مرکز بھی بن گیا ہے۔

اس زمانے سکھر وہ علاقہ تھا جو اب پرانا سکھر کے نام سے موسوم ہے۔
۱۳۲۴ء میں مشہور سیاح ابن بطوطہ تغلق دور میں برصغیر کی سیاحت کی غرض سے آیا تو اس کا گزر سندھ سے بھی ہوا، لیکن اس نے اپنے سفرنامے میں صرف بکھر ہی کا تذکرہ کیا ہے، حالانکہ اس زمانے میں سکھر بھی بزرگان دین کے قیام فرمانے کی وجہ سے کافی شہرت کا حامل تھا، چنانچہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ سید میر سرخ جلال بخاری جو سادات کے مورث اعلیٰ ہیں اور امیر کبیر سید قطب الدین مدنی جہاد کے ارادے سے مدینہ منورہ سے سکھر آئے، بعد میں قطب الدین ایبک ان کا مرید بنا تھا۔ امیر کبیر سید قطب الدین مدنی نے سکھر سے کوچ کیا اور پھر بعد میں کڑہ مانک پور کو فتح کیا۔ ان کا انتقال کڑہ مانک پور میں ۵۲۸ھ (۱۱۶۸ء) میں ہوا۔ سید احمد شہید بریلوی جو تحریک مجاہدین کے عظیم ترین رہنما ہیں آپ ہی کی اولاد میں سے ہیں۔
اسی طرح سید میر محمد مکی جو برصغیر پاک و ہند کے رضوی سادات کے مورثِ اعلیٰ ہیں، سلطان شمش الدین کے دور میں سکھر آئے اور یہاں قیام پذیر ہوئے۔ ان کا مزار سکھر کے ڈپٹی کمشنر آفس کے پاس داود ماڈرن ہائی اسکول کے عقب میں) ہے۔ آپ کے فرزند سید میر شمس الدین جو کہ شیخ صحرائی کے لقب سے زیادہ مشہور رہیں اپنے مرشد شیخ الشیوخ حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ کے حکم سے جہاد کی غرض سے الہ آباد تشریف لے گئے اور اسے فتح کیا۔ ان کی اولاد اب بھی وہاں موجود ہے۔ سید میر محمد مکی کی اولاد میں سے سید میر محمد ثانی سیاحت کے ارادے سے جون پور پہنچے جہاں ان کی شادی مخدوم شیخ ملنجی شطاری کی دختر نیک اختر سے ہوئی، آپ کا مزار موضع کمال پور ضلع جون پور میں ہے۔

مغلیہ دور

مغلیہ سلاطین سے پہلے ارغون سلاطین نے سندھ پر قبضہ کیا۔ اس دور میں کئی نامور بزرگانِ دین خراسان سے ہجرت کر کے سندھ آئے اور سکھر میں قیام پذیر ہوئے۔ ان کے لواحقین اب بھی اسی شہر میں قیام پذیر ہیں۔ ان میں سید محمد صفائی الترمذی قابلِ ذکر ہیں جن کو بکھر کے حاکم سلطان محمود کوکلتاش بکھری نے بکھر کا شیخ الاسلام مقرر کیا تھا۔ میرک بایزید بن میرک ابوسعید بن میر علی شاہ سبزواری شاہ بیگ ارغون کے ہمراہ سندھ آئے۔ ان کا آبائی وطن قندھار تھا اور شاہ بیگ ارغون نے انھیں سکھر کا شیخ الاسلام مقرر کیا تھا۔ میر عبدالباقی پورانی کا تعلق بھی اسی دور سے ہے، ان کا مزار ڈسٹرکٹ لوکل بورڈ آفس کے پاس ہے، ان کی اولاد ،، میرکی سادات ،،

کے نام سے موسوم اور پرانے سکھر میں قیام پذیر ہے۔ آج کل ان کی اولاد کی بہت بڑی تعداد شیعہ مسلک کی طرف مائل ہے۔

شاہ خیر اللہ المعروف بہ شاہ خیرالدین گیلانی متوفی ۱۰۲۷ھ، شاہ حسین ارغون کے دور میں سکھر تشریف لائے اور یہاں مستقل قیام فرمایا۔ پاکستان کے سابق وزیر تعلیم عبدالحفیظ پیرزادہ اسی درگاہ کے متولی ہیں۔

ان بزرگان دین کے سکھر میں قیام پذیر ہونے کی وجہ سے یہ شہر سندھ میں اسلامی تہذیب و تمدن اور علوم و فنون کا ایک اہم مرکز بن گیا تھا۔ مشہور تاریخی کتاب تحفۃ الکرام کے مصنف میر علی شیر قانع ٹھٹھوی شیرازی نے سکھر کا تذکرہ اپنی اسی کتاب میں ایک بہترین نزہت گاہ کی حیثیت سے کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہاں دریائے سندھ کے دونوں کناروں پر کھجور اور آم کے باغات تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ

مردمش چوں مردم ٹھٹہ سیر و صفادوست و بلطافت مزاج و تلاش استعداد انصاف دارند۔ در ایام تابستان کہ موسم طغیان آب و رسیدن میوہاست اہالی و موالی، ادنیٰ و اعلیٰ، از ذکور و اناث بیشتر بخلاد ملا روز در باغات بسر برند بالجملہ جائے دیدنی و گلے از بوستان نزاہتش شمیدنی، یعنی اہل ٹھٹھ کی طرح سکھر کے لوگ بھی نفاست و پاکیزگی کے دلدادہ اور نازک مزاج ہیں، ان میں جستجو کا مادہ اور صلاحیت ہے۔ جب موسم گرما میں دریائے سندھ میں طغیانی ہوتی ہے اور یہاں کے آم اور کھجور پکتے ہیں تو ان دنوں اہل سکھر اپنے اہل و عیال سمیت باغوں میں جاکر ڈیرہ ڈال دیتے ہیں اور یہاں کے باغوں کے پھول سونگھنے کے لائق ہیں۔

۹۹۹ھ (۱۵۹۰ء) میں مغلیہ تاجدار اکبر اعظم نے سکھر کا علاقہ میر محمد معصوم بکھری کو بطور جاگیر عنایت کیا چنانچہ اپنی حیات مستعار تک میر معصوم بکھری اپنے وطن مالوف کو خوب سے خوب تر بنانے میں سرگرداں رہے۔ وہ ایک مایہ ناز ماہر تعمیرات تھے، ان کے آثار اور کتبے آگرہ، دہار مانڈو، برہان پور، اصفہان اور تبریز تک کی عمارتوں میں نصب ہیں اور اس طرح یہ بات بعید از قیاس تھی کہ وہ اپنے وطن مالوف سکھر کو فراموش کر دیتے۔ میر سید محمد معصوم بکھری ایک شاعر، ماہر فن تعمیر، خطاط، حکیم اور مورخ تھے۔ شاعری میں آپ کا دیوان نامی، حکمت میں طب نامی اور علم تاریخ نگاری میں تاریخ معصوم چند اہم اور قابل قدر قلمی کاوشیں ہیں۔ آپ نے اس اہم مرکزی تجارتی شہر میں جگہ جگہ کارواں سرائے، مینار، کنوئیں اور مساجد تعمیر کرائیں۔ یہ عمارتیں اب

بھی سکھر کے تابناک ماضی کی قابلِ قدر یادگاریں ہیں۔ اور اس شہر کی عظمتِ رفتہ کی یاد دلاتی ہیں۔ سید محمد معصوم نے دریائے سندھ کے کنارے مسجد منزل گاہ تعمیر کرائی جو جزیرہ شادبیلہ کے سامنے ہے اور پرانے سکھر کی اسپیشل جیل کے قریب ایک اور مسجد ہشت پہلو گنبد تعمیر کرائی جو اب بھی موجود ہے۔ کہتے ہیں کہ اس ہشت پہلو گنبد کے قریب سات کنویں تھے۔ لیکن اب مسجد اور گنبد کے سوا کچھ بھی باقی نہیں ہے۔ مسجد منزل گاہ اور ہشت پہلو گنبد کے قریب باغات بھی تھے جنھیں گردشِ ایام نے ختم کر دیا۔ اسی طرح آپ نے ہوا خوری کے لیے دریائی گنبد بھی تعمیر کیے جو اب بھی بہترین تفریح گاہوں کا کام دیتے ہیں۔ آپ کی اولاد معصومی سادات کے نام سے موسوم اور سکھر میں قیام پذیر ہے۔ سکھر میونسپلٹی کے سابق صدر جناب قوت علی شاہ اسی خاندان کے گل سرسید ہیں۔ نواب سید میر محمد معصوم بھکری کا انتقال عہدِ جہانگیری کے دس سال بعد ہوا۔

ایک مغربی سیاح سالبنکی سکھر کے بارے میں لکھتا ہے کہ "سکھر ایک بڑی تجارتی منڈی ہے۔ یہاں آگرہ سے قافلہ انیس (۱۹) دن میں پہنچتا ہے، اور قندھار کے قافلے خراسان کے خشک و تر میوے لے کر آتے ہیں اور یہاں سے ملتان اور روہڑی کا دریائی کپڑا یعنی ٹسر خریدتے ہیں، میں یہاں سے ایک قافلے میں شامل ہوکر قندھار گیا تھا۔

اسی طرح ایک اور مغربی سیاح مانڈیسلو ۱۶۳۹ء میں سکھر کے بارے میں لکھتا ہے کہ "سکھر دریائے سندھ کے کنارے ایک پرفضا مقام ہے۔"

سکھر کا زوال

سکھر سے خراسان اور قندھار کی طرف جو تجارتی شاہراہ جاتی ہے، اس پر ۱۶۱۱ء میں داؤد پوترہ نے جو ایک حکمراں قوم تھی شکارپور کا شہر تعمیر کرایا۔ اس طرح وہ تمام تجارتی قافلے جو پہلے سکھر میں قیام پذیر ہوتے اور اپنا ڈیرہ جماتے اور تجارت کرتے اب وہ صرف شکارپور تک آتے اور اس طرح شکارپور آہستہ آہستہ ترقی کرتا گیا، اور اب سکھر کے جو ایک عظیم تجارتی مرکز تھا زوال کی ابتدا ہوئی۔ دوسری طرف یہ کہ مغلیہ سلطنت کے دورِ زوال میں نادر شاہ کے قتل ہونے کے بعد احمد شاہ ابدالی نے سندھ کا شمال مغربی علاقہ اپنی سلطنت قندھار میں شامل کر لیا تھا، اس طرح کافی عرصے تک سکھر، شکارپور کے افغان حکمرانوں کے ماتحت رہا۔ ابدالی دورِ حکومت میں شکارپور نے کافی ترقی کی تھی اور یہاں کے ہندو ساہوکاروں کی تجارتی کوٹھیاں وسطِ ایشیا میں استرخان، دہلی اور

کلکتہ تک میں قائم ہوگئی تھیں۔ اس طرح شکارپور کے ڈھک بازار نے کافی اہمیت حاصل کرلی تھی اور سندھ کا کوئی بھی تجارتی شہر اس کا مقابلہ نہ کرسکا چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ تالپور امیران سندھ کے دور ۱۸۴۱ء میں شکارپور کی آبادی بائیس[۲۲] ہزار تھی جب کہ سکھر کی آبادی چھ ہزار اور روہڑی کی آبادی کل گیارہ ہزار تھی۔

سکھر پر انگریزوں کا قبضہ

سندھ پر قبضہ کرنے سے پہلے ۱۸۳۹ء میں لارڈ آکلینڈ وائسرائے ہند کے دور میں پہلی افغان جنگ کے موقع پر بنگال آرمی کو قندھار جانا تھا، چنانچہ راہداری کی سہولت حاصل کرنے کے لیے انگریزوں نے بزورِ طاقت بکھر کے قلعے اور سکھر پر قبضہ کیا۔ سکھر اور بکھر کا علاقہ اس زمانے میں خیرپور کے تالپور سہرابانی حکمران میر رستم خان کے زیرِ حکومت تھا، اُس طرح اسے یہ علاقے سر الیگزینڈر برنس کے سپرد کرنے پڑے۔ اس کے بعد کمپنی بہادر کی فوج کو راہداری کی سہولت حاصل ہوگئی اور منزل گاہ والے دریائی گنبد کو برطانوی ایجنٹ نے اپنی ایجنسی کا دفتر بنالیا۔ اسی زمانے میں فوجیوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے پہلی مرتبہ روہڑی کے ہندو بیوپاریوں کو مینارہ میر محمد معصوم شاہ کے نشیب میں چند دکانیں جھونپڑیوں یا چھپروں میں کھولنا پڑیں۔ اس طرح ان دکانوں کے کھلنے سے سکھر کے نئے شہر کی بنیاد پڑی، اس سے پہلے مینارہ معصوم شاہ اور دریائے سندھ کے درمیانی علاقے میں کھیت اور باغات تھے۔ یہ نیا شہر ابتدا میں چھپروں والی دکانوں کے کھلنے کی وجہ سے چھپری بندر کے نام سے مشہور ہوا۔

سکھر میں فریک ہل پر جو بیرکیں بنی ہوئی ہیں اور جن میں اب سول ہسپتال اور خاص طور پر ریلوے کے ملازمین رہائش پذیر ہیں، وہ اسی زمانے کے ہیں جب ایسٹ انڈیا کمپنی بہادر کی افواج ہندوستانی علاقے سے آکر یہاں قیام پذیر ہوئیں اور کچھ دن آرام کرنے کے بعد درہ بولان کے راستے قندھار روانہ ہوتیں۔ ان بیرکوں کے علاوہ مینارہ میر محمد معصوم شاہ کے قریب (ہلال احمر زنانہ ہسپتال کے پاس) ایک پہاڑی پر جس خراب و خستہ عمارت کے آثار ہیں، وہ عمارت اس زمانے میں فوج کے کوارٹر ماسٹر جنرل کی رہائش گاہ تھی۔ اس طرح پہلی افغان جنگ کے موقع پر سکھر —— چھپری بندر —— ایک فوجی چھاؤنی بن گیا تھا۔ چھاؤنی بننے کے بعد یہاں نئی نئی دکانیں کھلیں اور اب سکھر بتدریج ترقی کی منازل طے کرنے لگا۔ جس مقام پر چھپروں میں دکانیں قائم کی گئی تھیں وہ علاقہ اب بھی چھپری روڈ کے نام سے موسوم ہے۔

۱۸۴۳ء میں تالپور امیرانِ سندھ سے سر چارلس نیپئر نے سندھ فتح کیا۔ اس دور میں جب برطانوی جہاز راں کمپنی کے مال بردار جہاز سامان تجارت دریائے سندھ کے ذریعے پنجاب سے کراچی لاتے اور لے جاتے تھے، اس کا نام انڈس فلوٹیلا کمپنی تھا۔ اس کمپنی کا ایک ایجنٹ سکھر میں رہتا تھا۔ اس زمانے میں انگریزوں نے سکھر کی بجائے شکار پور کو ضلع بنا دیا تھا۔ انگریزوں کے سندھ پر ابتدائی دورِ حکمرانی میں سندھ میں صرف تین اضلاع تھے یعنی کراچی، حیدر آباد اور شکار پور۔ لیکن چونکہ پنجاب کا مال دخانی جہازوں کے ذریعے اور کشتیوں کے ذریعے سکھر بآسانی اور جلد پہنچتا تھا اس لیے سکھر نے آہستہ آہستہ پھر عروج حاصل کرنا شروع کیا اور بہت جلد یہ شہر ایک اہم تجارتی مرکز بن گیا۔ چنانچہ اس کی اسی حیثیت کے پیشِ نظر برطانوی حکومت ہند نے ۱۸۸۳ء میں شکار پور کی بجائے سکھر کو ضلع کا درجہ دیا۔

انگریزوں کے دور میں سکھر کی ترقی

ضلع بن جانے کے بعد سکھر شہر نے ہر لحاظ سے از حد ترقی کی۔ چنانچہ سکھر کی پر فضا پہاڑیوں کو جہاں پہلے قبریں تھیں ہموار کر کے وہاں سرکاری دفاتر قائم کیے گئے۔

۱۸۸۵ء میں سینٹ میری کیتھولک چرچ تعمیر ہوئی۔ انڈس ویلی ریلوے دوسری افغان جنگ کے دوران کوئٹہ تک تعمیر ہو گئی تھی اور اس پر نقل وحمل کا سلسلہ جاری تھا چنانچہ ضرورت اس امر کی محسوس کی گئی کہ سکھر اور بلوچستان کو ذریعے ریل پنجاب سے بھی ملائی جائے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ۱۸۸۹ء میں لینڈزاؤن پل تعمیر کیا گیا، جس پر اس زمانے میں چالیس لاکھ روپے لاگت آئی تھی، اس پل کے تعمیر ہونے سے سکھر کا بذریعہ ریل لاہور، کراچی اور کوئٹہ سے مواصلاتی تعلق پیدا ہو گیا، جس کی وجہ سے شہر کی تجارتی سرگرمیوں میں وافر اضافہ ہوا تو دوسری طرف ریلوے ورکشاپ کے بننے سے اس کی آبادی تیزی سے بڑھنے لگی۔ ۱۸۵۹ء میں سکھر میں اینگلو ورنیکلر سکول کا قیام عمل میں آیا اور ۱۸۸۰ء میں سینٹ میری چرچ کے زیرِ اہتمام اینگلو انڈین سکول قائم کیا گیا۔ اب دونوں درس گاہیں ہائی سکول ہیں۔ اسی سال فزیک ہل کی بیرکوں میں سول ہسپتال کا قیام عمل میں آیا۔ ۱۸۹۴ء میں لوکل بورڈ کے فنڈ سے وکٹوریہ جوبلی ٹیکنیکل سکول قائم کیا گیا اور اسی سال نئے سکھر اور پرانے سکھر کے درمیان پہاڑی پر میونسپل واٹر ورکس کے ٹینک قائم کیے گئے۔ اسی سال شکار پور کی لائبریری سکھر میونسپل کمیٹی کو منتقل کی گئی۔ اب یہ سکھر کی جنرل لائبریری کے نام سے موسوم

ہے اور سندھ کی ایک مشہور لائبریری ہے۔ برصغیر پاک و ہند کی آزادی سے پہلے اس لائبریری میں کتابوں کی تعداد پانچ ہزار سے زائد تھی لیکن تقسیم کے بعد بھارت جاتے ہوئے بعض نادر و نایاب کتب اور مخطوطات یہاں کے ہندو اپنے ساتھ ہندوستان لے گئے تھے۔ ۱۹۰۶ء میں پرانے سکھر کے قریب ڈسٹرکٹ جیل تعمیر ہوئی۔

ابتدا میں سکھر سے صرف تین اخبار سندھی زبان میں شائع ہوتے تھے:-

(الف) **الحق** — اس اخبار کے بانی شیخ محمد سلیمان مرحوم تھے، کچھ عرصے بعد اس اخبار کا انگریزی ایڈیشن بھی کچھ دنوں تک شائع ہوا۔

(ب) **آفتاب** — اس کے ایڈیٹر علامہ شمس الدین بلبل تھے۔ آپ سندھ کے اکبر الہ آبادی کہلاتے تھے اور انگریزی تہذیب و معاشرت کے خلاف تھے۔

(ج) **سندھی** — اس اخبار کے ایڈیٹر ویرومل بیگراج تھے۔ اخبار آفتاب اور سندھی کے پریس فریہر روڈ سکھر پر واقع تھے۔

اسی دوران عیدگاہ سکھر عوامی چندے سے تعمیر ہوئی۔ ۱۹۱۱ء میں سکھر میں مدرسۃ الاسلام کی اقامت گاہیں تعمیر ہوئیں۔ ۱۹۲۳ء میں لائیڈ بیراج سکھر کی تعمیر کی ابتدا ہوئی اور ۱۹۳۲ء میں اس بیراج کی تعمیر مکمل ہوئی، اس کی تعمیر پر بتیس ۳۲ کروڑ روپے خرچ ہوئے۔ اس کا شمار دنیا کے بہترین نظام آبپاشی میں ہوتا ہے۔ بیراج کالونی اور سنٹرل جیل کی تعمیر کے بعد اس طرح سکھر کراچی اور حیدرآباد کے بعد تیسرے درجے کا شہر بن گیا، اب بھی یہ شہر دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہا ہے اور بالائی سندھ میں تجارت کی سب سے بڑی منڈی بھی ہے۔

سکھر کے آثار قدیمہ

سکھر چونکہ ایک قدیم شہر ہے اور اس شہر میں جگہ جگہ اولیا اور صوفیائے کرام کے مزار ہیں جن کی خاک کے ذرے ذرے میں تاریخ کے اوراق و ابواب پوشیدہ ہیں۔ ہماری تہذیب و ثقافت کا بہترین نمونہ ہیں۔ ہم سطور ذیل میں ان کا اجمالی خاکہ درج کرتے ہیں۔

سکھر پرانا میں حضرت مخدوم خیر الدین گیلانیؒ کا مزار ہے جس پر کاشی کا کام ہوا ہے۔ یہ مقبرہ ۱۱۷۴ھ میں یہاں کے متولی میاں غلام محمد نے تعمیر کرایا تھا۔ اس مقبرے کا کتبہ سید اللہ اللہ ساقی بن میر بزرگ بن سید میر محمد معصوم بھکری نے تیار کیا تھا۔ اس کے مغرب میں سید میر ڈتل شاہ کا مزار ہے جو ایک زمانے میں سکھر کے رئیس اعظم تھے۔ سکھر بسکٹ فیکٹری کے قریب

فقیر جمال الدین میاں کا مزار ہے، آپ مخدوم خیر الدین گیلانی کے مرید تھے اور سید میر محمد معصوم بکھری کے پوتے سید میر محمد زکریا، آپ کے مرید تھے۔ ڈپٹی کمشنر آفس کے سامنے اور ماڈرن ہائی سکول کی پشت پر سید میر محمد مکی اور میر عبدالباقی پورانی کے مزارات ہیں۔ سید میر عبدالباقی پورانی کے مزار کے قریب جو ویران مسجد ہے اس کے آثار باقی ہیں۔ اس کی دیواروں پر اقلیدس کی طرز پر کاشی کا کام کیا گیا ہے۔ یہ کام بے حد دلربا اور قابلِ تعریف ہے۔

جزیرہ شاد بیلہ کے سامنے دریا کے کنارے ایک مسجد اور منزل گاہ ہے۔ اس مسجد اور منزل گاہ کو ہندوؤں نے بند کر دیا تھا مگر جانباز مسلمانوں نے بے مثال قربانیاں دے کر مسجد کو واگزار کرا لیا۔ سکھر کے جانباز اور زندہ دل مسلمانوں کی یہ قربانی ایک تاریخی واقعہ ہے۔

اسی طرح یہاں کی ایک اور قابلِ تعریف عمارت پیر الٰہی بخش ٹاور ہے جو نیشنل بنک کے پاس اور مرکزی عیدگاہ کے قریب ایک پہاڑی پر واقع ہے۔ یہ اس زمانے کی یادگار ہے جب پیر الٰہی سندھ کے وزیرِ تعلیم تھے۔ اسی طرح وکٹوریہ مارکیٹ (سبزی مارکیٹ) کے قریب والا گھنٹہ گھر، خان بہادر اللہ بخش ٹاور کہلاتا تھا۔ یہ مرحوم اللہ بخش نے اس وقت تعمیر کرایا جب وہ سندھ کے وزیرِ اعظم تھے۔ مینارہ سید میر محمد معصوم بکھری کے قریب شمال کی سمت ایک چورس مزار ہے۔ یہ مزار ریڈ کراس ہسپتال کے قریب ہے اور مرزا سلطان محمود کوکلتاش حاکم بکھر کا مرقد ہے، جس کی لڑکی سے مغل حکمراں جلال الدین محمد اکبر نے شادی کی تھی۔ سلطان محمود کوکلتاش کو، سندھ کے حکمران شاہ بیگ ارغون نے بکھر کا گورنر مقرر کیا تھا۔ اسی طرح وکٹوریہ مارکیٹ سے کچھ فاصلے پر مغرب میں حضرت شیخ سیتھمی یعنی شیخ شیر کا مزار ہے۔ سکھر بیراج کے اس طرف مغرب میں حضرت سید بچل شاہ صوفی و درویش کی آخری آرام گاہ ہے۔ ان کے معتقد زیادہ تر ہندو تھے اور وہ اتنے عقیدت مند تھے کہ ہر سال اپنے خرچ سے تین دن سید بچل شاہ کا میلہ لگواتے تھے۔

سکھر ہی میں نئے گوٹھ کی پہاڑی پر میاں آدم شاہ کلہوڑہ کا مقبرہ ہے۔ یہ درویش سید میراں محمد شاہ جون پوری کے مرید تھے۔ ابتدا میں یہ ضلع لاڑکانہ کے موضع ڈوکری کے ایک گاؤں ہڑی میں قیام پذیر تھے۔ ۱۵۹۲ء میں مرزا عبدالرحیم خان خاناں جب سندھ پر حملے کے ارادے سے آیا تو اس نے چانڈکہ (لاڑکانہ) کا علاقہ ان کو بطور جاگیر دیا۔ یہاں ان کی تعداد بڑھتی گئی اور ایک وقت وہ آیا کہ جب میاں آدم شاہ کے مریدوں یعنی فقیروں نے اتنا زور پکڑا کہ ناچار بکھر کے مغلیہ نواب کی شکایت پر ان کو گرفتار کر کے ملتان روانہ کیا گیا جہاں قید کی

حالت میں ان کا انتقال ہوگیا۔ انتقال کے بعد ان کو آپ ہی کی وصیت کے مطابق سکھر کی اس پہاڑی پر لاکر دفن کیا گیا۔ سندھ میں کلہوڑہ خاندان کی حکومت کے بانیوں میں میاں آدم شاہ کلہوڑہ کا نام سرفہرست ہے۔

اسی طرح سکھر شہر کے شمال میں میاں مراد شاہ کا مزار ہے اور اسٹیشن کے قریب والی پہاڑی پر شاہ بخاری کا مقبرہ ہے۔ اس طرح سکھر شہر مکمل طور پر اولیاء اللہ کے حلقے کے درمیان واقع ہے۔

اس موقع پر اگر دریائے سندھ کے جزیروں کا بھی تذکرہ کر دیا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ چنانچہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مسجد منزل گاہ کے بالکل مقابل دریا کے اندر دو پہاڑیاں ہیں، ان میں سے ایک پہاڑی کا نام شاد بیلا اور دوسری پہاڑی کا نام دین بیلا تھا۔ انیسویں صدی کے آخری حصے میں ایک جہاں گشت ہندو سادھو بنکھنڈی مہاراج نے شاد بیلہ کی پہاڑی کو اپنا آستان بنایا۔ آہستہ آہستہ اس سادھو کی شہرت پھیلی تو ہندو جوق در جوق اس ہندو سادھو کے درشن کرنے کے لیے آنے لگے۔ یہاں کے مالدار ہندو سیٹھوں نے شاد بیلہ میں مندر بنایا اور دین بیلہ میں باغ لگوایا۔ غرض مسلمانوں کی غفلت اور انگریزوں کی غلط پالیسی کی وجہ سے دریائے سندھ کی ان دونوں پہاڑیوں پر ہندوؤں کا قبضہ ہوگیا۔ اب انھوں نے شاد بیلہ کا نام تبدیل کر کے سادھو بیلہ رکھ دیا۔

اس کے علاوہ سکھر میں واٹر ورکس کے مشرق میں ایک نوگزلمبی قبر ہے جو کسی ولی اللہ کا مزار ہے۔ سندھ پر انگریزوں کے قبضے سے پہلے سکھر کی تمام پہاڑیوں پر بے شمار قبریں تھیں جن کو انگریزوں نے مسمار کرا کے ان کی ہڈیوں کو دریا برد کرا دیا تھا۔ نامعلوم یہ قبریں کن کن بزرگوں کی تھیں اور ہیں۔ مثال کے طور پر واٹر ورکس کی پہاڑی پر ایک چورس اینٹوں کا چبوترہ بنا ہوا ہے اور اس کے اردگرد ویران قبریں ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ سکھر کے مالدار اصحاب خاص طور پر اس طرف توجہ دیں اور ماضی کے ان اوراقِ پارینہ کو جن میں ہماری تہذیب و ثقافت بہت بڑا حصہ مدفون ہے، محفوظ کرائیں۔